5

اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے تیار کرو

(فرمودہ 30 جنوری 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''1909ء کی بات ہے کہ مَیں کشمیر گیا۔ سرینگر جو کشمیر کا دارالحکومت ہے اُس میں ایک جھیل ہے جو ڈل کہلاتی ہے۔ کوئی ایک میل کے قریب لمبی اور نصف میل کے قریب چوڑی ہے۔ چونکہ سری نگر کی سبزیاں اور ترکاریاں اُس میں بوئی جاتی ہیں اُس کے کناروں پر یا اُس میں گیلیاں ڈال کر اُن پر مٹی ڈال لیتے اور اِس طرح مصنوعی زمین بنا لیتے ہیں۔ اس لیے اُن سبزیوں کو آسانی کے ساتھ شہر میں لے جانے کے لیے جہلم دریا میں سے جو سری نگر کے پاس بلکہ درمیان میں بہہ رہا ہے ایک نہر نکالی گئی ہے جو ڈل کے ساتھ ساتھ گزرتی ہے۔ اور ڈل میں ایک دروازہ بنا دیا گیا ہے جس سے دونوں کے پانیوں کا آپس میں اتّصال ہو جاتا ہے۔ کبھی نہر میں پانی زیادہ ہو تو ڈل کا پانی نیچا ہو جاتا ہے اور نہر کی طرف سے ڈل کا بہاؤ اونچا ہو جاتا ہے اور کبھی نہر کا پانی نیچا ہو تو ڈل کا پانی اونچا ہو جاتا ہے اور پانی کا بہاؤ نہر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اِس نہر کے کنارے پر کھڑے ہو کر ایک دفعہ مَیں اس نظارہ کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرح کشتیاں ڈل سے نہر میں آتی اور کبھی شہر کی طرف سے آکر ڈل میں چلی جاتی ہیں۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے اُس دن نہر کا پانی نیچا تھا اور ڈل کا پانی اونچا تھا۔ اِس وجہ سے ڈل سے آنے والی

کشتیاں آسانی سے نہر میں آجاتی تھیں لیکن نہر سے جانے والی کشتیاں بڑی مشکل سے ڈل کی طرف جاتی تھیں۔ چھوٹی کشتیاں جن کو کشمیری اصطلاح میں شکارا کہتے ہیں وہ تو معمولی سی کوشش سے ڈل میں چلی جاتی ہیں لیکن بھاری کشتیوں کے لیے سخت دقّت ہوتی ہے اور اُن کو بوجھ کی وجہ سے بہاؤ کے مقابل پر لے جانا بڑی مشکل بات ہوتی ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ اِس اثناء میں ایک ایسی کشتی آئی جو اپنی سبزی ترکاری بیچ چکی تھی اور واپس گھر کی طرف جارہی تھی۔ اس کشتی میں تین چار مرد تھے اور تین چار عورتیں اور کچھ بچے تھے۔ اُن سب کو ملا کر گیارہ بارہ آدمی ہوں گے۔ جب یہ کشتی ڈل کی طرف جانے لگی تو پانی کے بہاؤ کی وجہ سے اُس کے راستہ میں سخت روک پیدا ہوگئی اور بانس کا استعمال اور چپو کا استعمال بیکار نظر آنے لگا۔ اِس پر کشتی میں سے ایک دو آدمی پھاند کر نیچے اُتر گئے اور اُنہوں نے رسّہ سے کشتی کو اوپر کھینچنا شروع کیا۔ لیکن اُن آدمیوں کا زور بھی اِس بارہ میں کامیاب ثابت نہ ہوا اور کشتی پھر بھی اوپر نہ چڑھ سکی۔ تب اَور مرد بھی کُود گئے اور انہوں نے زور لگا کر کشتی کو اوپر کھینچنا چاہا لیکن پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ کشمیری لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی مشکل وقت آئے اور اُنہیں زور لگانا پڑے تو وہ عام طور پر جیسے ایک دوسرے کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بعض لوگ خاص الفاظ استعمال کرتے ہیں تا کہ اکٹھا زور لگ سکے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور کشمیری لہجہ کے مطابق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی بجائے لَا یلٰہَ یلَّ اللّٰہُ کہتے ہیں۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ کشتی اوپر نہیں آتی تو مردوں نے مل کر رسّہ اوپر کی طرف کھینچنا شروع کیا اور ساتھ ہی لَا یلٰہَ یلَّ اللّٰہُ کا نعرہ بھی لگانے لگے۔ اِس آواز سے کشتی میں بیٹھی ہوئی عورتوں اور بچوں نے بھی سمجھ لیا کہ اب مشکل وقت آگیا ہے۔ چنانچہ جو چپّو خالی پڑے تھے وہ اُنہوں نے پکڑ کر خود چلانے شروع کر دیئے اور جن کے پاس بانس تھے وہ بانس چلانے لگے اور اِس کے ساتھ ہی بچوں نے اپنے ہاتھ سے پانی دھکیلنا شروع کر دیا لیکن اُن کی یہ ساری تدبیریں ناکام رہیں۔ تب جو بچوں میں سے لڑکے تھے وہ کُود گئے اور اُنہوں نے بھی مل کر مردوں کے ساتھ زور لگانا شروع کیا مگر جب اُنہوں نے دیکھا کہ یہ کشتی کسی طرح نہیں ہلتی اور لَا یلٰہَ یلَّ اللّٰہُ کے الفاظ نے کوئی کام نہیں کیا تو اُنہوں نے یا شیخ ہمدان کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ شیخ ہمدان ایک بزرگ تھے جنہوں نے اِس علاقہ میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی تبلیغ کی۔ اب تک اُن کی یادگار اِس علاقہ میں پائی جاتی ہے اور ان کے مقام پر بہت سے پُرانے

تبرکات مصنوعی یا سچے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ کشمیری لوگوں کی عادت ہے کہ جب لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے نعرے سے کچھ نہ بنے تو وہ سمجھتے ہیں اِس کے بعد زیادہ زور کا نعرہ شیخ ہمدان کا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے یا شیخ ہمدان کہہ کر زور لگانا شروع کیا مگر جب پھر بھی کام نہ چلا تو ایک عورت اور باقی بچے بھی نیچے اُتر آئے۔ ایک عورت جو بانس سے زور لگا رہی تھی وہ اندر رہی۔ اِس طرح دو اَور عورتیں بھی اندر بیٹھی رہیں مگر پھر بھی کشتی نہ ہلی۔ جب پھر بھی کشتی نہ ہلی تو اُنہوں نے دستور کے مطابق اپنے سب سے بڑے دیوتا کو پکارنا شروع کیا یعنی انہوں نے یا پیر دستگیر کا نعرہ لگایا۔ جب اُنہوں نے پیر دستگیر کا نعرہ لگایا تو مَیں نے دیکھا کہ سوائے اُس عورت کے جو بانس سے زور لگا رہی تھی اور کشتی کا رُخ سیدھا کر رہی تھی باقی سب کے سب نیچے کُود گئے اور دیوانہ وار اُنہوں نے زور لگانا شروع کیا اور وہ کشتی کو نکال کر لے گئے۔

جہاں تک کشمیری اخلاق کا تعلق ہے مَیں نے اِس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اِن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت سب سے کم ہے۔ خدا سے بڑے ان کے نزدیک شیخ ہمدان ہیں۔ اور شیخ ہمدان سے بڑے ان کے نزدیک پیر دستگیر ہیں۔ لیکن جہاں تک اِس امر کا تعلق ہے کہ جس ذات کو وہ عزیز سمجھتے ہیں اُس کی بےعزتی کو برداشت نہیں کر سکتے اور اُس کے نام پر وہ ہر قربانی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اُن کا عمل درحقیقت ایک سبق تھا جو مَیں نے سیکھا اور جس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ مَیں نے کہا یہ لوگ اسلام سے اچھی طرح واقف نہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں وہ روح نہیں جو قرآن اور اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانتے ہیں لیکن خدا سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا شیخ ہمدان کو سمجھتے ہیں اور شیخ ہمدان سے بڑا پیر دستگیر کو سمجھتے ہیں۔ مگر ایک چیز جو تمام انسانوں میں مشترک ہے اُن میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جس چیز سے محبت کامل ہو اُس کے نام پر بٹہ لگنے نہیں دینا چاہیے۔ مانا کہ وہ خدا اور رسول سے شیخ ہمدان کو بڑا سمجھتے ہیں اور شیخ ہمدان سے پیر دستگیر کو بڑا سمجھتے ہیں مگر بہر حال جس کو وہ بڑا سمجھتے ہیں اُس کے نام کو بےعزتی سے بچانے کے لیے وہ ہر قربانی کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے جو پانچ چھ سال کے تھے پیر دستگیر کا نام آنے پر مَیں نے دیکھا کہ اُن کے چہرے سُرخ ہو گئے۔ اُن کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور اُنہوں نے بھی زور لگانا شروع کر دیا اور سمجھ لیا کہ پیر دستگیر کا نام آنے کے بعد ہماری کوشش بےکار نہیں جانی چاہیے کیونکہ اس سے پیر دستگیر کے نام پر دھبہ آئے گا۔ اُن کا عقیدہ غلط

سہی، اُن کا ایمان ناقص سہی لیکن یہ چیز جو انسان کو انسان بناتی ہے بشرطیکہ اِس سے صحیح طور پر کام لیا جائے اُن کے اندر موجود تھی کہ جس سے محبت اور لگاؤ ہو اُس کے نام پر بدنامی کا دھبّہ نہیں لگنا چاہیے۔

آج سے قریباً چالیس سال پہلے کا یہ واقعہ ہے مگر میری نظروں کے سامنے آج بھی یہ واقعہ اُسی طرح ہے جس طرح اُس وقت تھا۔ شاید اس کے نقش کچھ دھندلے ہو گئے ہوں تو ہو گئے ہوں مگر بہرحال اس کے نقش زندہ ہیں۔ اور جب بھی اِس واقعہ کا مجھے خیال آتا ہے یہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ ہم اُن کے اِس فعل کو بے شک بُرا کہیں کہ خدا اور رسولؐ سے اُنہوں نے شیخ ہمدان اور پیر دستگیر کو بڑا بنالیا لیکن جہاں ہمارا فرض ہے کہ ہم بُری بات کو بُرا کہیں وہاں ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اچھی بات کو اچھا کہیں۔ اُن کے اندر بے شک بُرائی تھی لیکن اُن میں یہ خوبی بھی تھی کہ اُن کے دلوں میں یہ احساس پایا جاتا تھا کہ ہمیں اپنے محبوب اور پیارے کے نام پر دھبہ نہیں لگنے دینا چاہیے۔ بے شک اُنہوں نے غلطی کی، بے شک ہم یہی کہیں گے کہ وہ غلطی میں مبتلا تھے لیکن اُن کو ایک غلطی خوردہ انسان قرار دیتے ہوئے بھی اُن کی نادانی میں ایک ایسا سبق پوشیدہ تھا جو بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھولنے والا ہے۔ اور وہ سبق یہ ہے کہ جب وہ ایک غلط عقیدہ پر قائم ہوتے ہوئے بھی اپنے محبوب کے نام پر بٹّہ لگنا گوارا نہیں کر سکتے تو وہ شخص جو ایمان کا دعوٰی کرتا ہے اُسے تو بہرحال ایمان میں اُن سے بہت زیادہ ثابت قدم ہونا چاہیے۔ جس طرح کشتی والوں کے نزدیک ایک نازک وقت آ گیا تھا اور اُنہوں نے اپنا سارا زور کشتی کے نکالنے میں لگا دیا اُس سے بہت زیادہ نازک وقت اِس وقت اسلام اور احمدیت کے لیے آیا ہوا ہے۔ شاید آپ لوگوں میں سے ہر شخص اگر وہاں موجود ہوتا اور اُن کے اِس طریقِ عمل کو دیکھتا تو استغفار پڑھنے لگ جاتا اور کہتا یہ کیسے مشرک اور ناقصُ الْاِیمان لوگ ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں لیکن مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہیں، اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں لیکن ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جن کی اسلام سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ لیکن اگر وہ سوچتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ وہ اپنے شرک اور بے ایمانی میں بھی ایمانداروں کو سبق دے رہے تھے۔ وہ مشرک سہی، وہ بے ایمان سہی لیکن وہ وفاداری کا جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ اور اگر ایک مشرک اور کافر وفادار ہو سکتا ہے تو مومن کو اُس سے بڑھ کر کیوں وفادار نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ایک مشرک اپنے پیر کا نام آنے پر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اُسے ناکامی ہو تو وہ مومن کیسا مومن ہے جو مشکلات اور آفات کے وقت

میں یہ چاہے کہ خدا اور رسول کا نام بے شک بدنام ہو جائے یا ناکامی کا داغ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اُن کے چہرے پر لگ جائے۔

یاد رکھو یہ زمانہ ہماری جماعت کے لیے نہایت ہی نازک ہے۔ نہ صرف ہماری جماعت کے لیے بلکہ سارے اسلام کے لیے نازک ہے۔ دوسرے مسلمان اِس حقیقت کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ہماری جماعت اِس بات کی مدعی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے تازہ پیغام کی حامل ہے۔ اگر دوسرے لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت کرتے ہوں تو اس کا یہ نتیجہ نہیں نکلنا چاہیے کہ ہم بھی غافل ہو جائیں۔ اگر مسلمان اِس حالت پر غور کریں جو اِس وقت اسلام کی ہے۔ اگر وہ جھوٹے دعووں کو چھوڑ دیں، اگر وہ اس امر کو اپنے دلوں میں سے نکال دیں کہ ہم اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے لگائیں گے تو یُوں ہو جائے گا اور وہ اس دھوکا سے اِس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ غور اور فکر سے کام لیں۔ اگر وہ اسلام کی موجودہ حالت پر صحیح طور پر تدبر کریں تو اُنہیں نظر آئے گا کہ اسلام کے پاؤں اِس وقت اُکھڑ رہے ہیں، اسلام کی جڑیں اس وقت ہِل رہی ہیں، اسلام کی سیاسی حالت پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی اب عقائد کی حالت بھی کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے اور اِس وقت اسلام کے نام کو دنیوی اغراض کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جس طرح آج سے پہلے دنیا کا ہر وہ کام جس کے لیے قرآن آیا تھا لوگوں نے نظر انداز کر دیا تھا اور قرآن کریم کے صرف دو کام رہ گئے تھے۔ مُردوں پر پڑھنا اور عدالتوں میں قرآن ہاتھ میں لے کر جھوٹی قسمیں کھانا۔ اِسی طرح اِس زمانہ میں اسلام کی غرض صرف اِس قدر رہ گئی ہے کہ اسلام کا نام لے کر عوام الناس میں جوش پیدا کیا جائے اور سیاسی اَغراض میں اِس کی مدد سے اپنے رقیب کو شکست دینے کی کوشش کی جائے۔ وہ عدالتوں میں جھوٹی قسمیں کھانا اور قبروں پر قرآن کا پڑھنا بھی ایک لغو کام تھا مگر یہ تو بہت ہی خطرناک اور اسلام کو سخت نقصان پہنچانے والا فعل ہے۔ نام اسلام کا لیا جاتا ہے مگر غرض ایک دوسرے پر سیاسی فوقیت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اسلام اسلام کا نعرہ لگانے والا خود اسلام پر عامل نہیں ہوتا۔ وہ نماز کا تارک ہوتا ہے، وہ اُن تمام آداب اور طریقوں کے خلاف چل رہا ہوتا ہے جن کا اسلام نے بنی نوع انسان سے مطالبہ کیا ہے مگر وہ اسلام کا نعرہ لگانے میں سب سے زیادہ حصہ لیتا ہے۔ اُس کی آواز باقی سب آوازوں سے اونچی ہوتی ہے۔ وہ جتنا زیادہ اسلام کا منکر ہوتا ہے اُتنی ہی بلند آواز سے وہ اسلام اسلام کا نعرہ لگاتا ہے تا اُس کے اسلام سے انکار اور اسلام پر عمل نہ کرنے کے عیب پر پردہ پڑ سکے۔

پس یہ وقت ہماری جماعت کے لیے نہایت ہی نازک ہے۔اس لیے کہ اسلام کی کشتی کو پار لگانا ہمارے ذمہ ہے۔ بے شک ہر شخص جو مسلمان کہلاتا ہے یہ فرض اُس پر بھی عائد ہوتا ہے لیکن یہ فرض اُسے بھُولا ہوا ہے اور نئے سرے سے وہ کوئی عہد نہیں کرتا۔ اور اگر عہد کی کوئی حقیقت ہے، اگر عہد جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے مسئول ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے متعلق سوال کیا جائے گا تو پھر اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور تازہ عہد کرنے والے زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔ باقی لوگ وہ ہیں جن میں سے کسی نے دس پُشت سے اور کسی نے بیس پُشت سے عہد کیا تھا۔ ماں باپ نے عہد کیا جو اولاد نے بھُلا دیا۔ بے شک اُن کی اولاد کا بھی فرض ہے کہ اپنے ماں باپ کے عہد کی قدر و قیمت کا احساس کریں اور اپنے اعمال میں تغیر پیدا کریں لیکن اس عہد کی وہ شان نہیں جو اُس عہد کی ہے جو براہ راست کیا جائے۔ پس جب تک جماعت اِس ذمہ داری کو نہیں سمجھتی جو اِس تازہ عہد کی وجہ سے اُس پر عائد ہوتی ہے اُس وقت تک وہ اپنے ایمان کا کوئی ثبوت مہیا نہیں کرتی اور اُس وقت تک اسلام اور احمدیت کا بھی روشن مستقبل نظر نہیں آ سکتا۔ اِس بارہ میں بے شک جماعت کے اَور افراد بھی ذمہ دار ہیں مگر سب سے زیادہ فرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان پر عائد ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا تھا کہ اِن میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے، بہت سے ایسے ہیں جو دُنیوی کاموں میں مشغول ہیں اور ایسے نازک وقت میں خدا اور اُس کے رسولؐ کو چھوڑ کر اپنے ذاتی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

مَیں نے بتایا تھا کہ اُن کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں بِالصراحت اِس کا ذکر آتا ہے کہ اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کی نیکیاں اُنہیں دوسروں سے زیادہ ثواب کا مستحق بنائیں گی۔ لیکن اگر وہ غلطیاں کریں گے تو اُن کی غلطیاں اُنہیں دوسروں سے زیادہ سزا کا مستحق بنائیں گی۔ مَیں نے اِس طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ جماعت کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہیے۔ جماعت بھی لفظی صاحبزادگیوں کی طرف جاتی ہے حالانکہ لفظی صاحبزادگیوں کی بجائے ہمیں حقیقی صاحبزادگی اپنے مدنظر رکھنی چاہیے۔ گویا اُن کا طریقِ عمل بھی دوسروں کو سبق دینے والا نہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں جتنی کمزوری ہوگی ہم کو اس سے زیادہ کمزوری دکھانے کا موقع ملے گا۔ اِس لیے منع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اِس طریق پر چل کر دونوں میں سے کسی کا بچاؤ نہیں ہوسکتا۔ خدا سے عہد باندھ کر

اُسے توڑ دینا ایسی چیز نہیں جو معاف کی جاسکے۔ یہ اِس دنیا میں بھی اُن کو ذلیل کر دے گی اور اگلے جہان میں بھی اُن کو ذلیل کرے گی۔

میرے اُس خطبہ کے جواب میں ہمارے خاندان کے دو نوجوانوں نے مجھے لکھا ہے کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنی زندگیاں دین کے لیے وقف کی ہوئی ہیں۔ مَیں نے اُس محکمہ کے ذریعہ جو وقف کا ریکارڈ رکھتا ہے اُنہیں جواب دیا ہے کہ پہلے اپنی شکل تو اسلام اور احمدیت والی بناؤ اور اسلام اور احمدیت پر عمل کر کے دکھاؤ۔ اگر تم اپنی شکل اسلام اور احمدیت والی نہیں بنا سکتے اور نہ اُس کی تعلیم پر عمل کرتے ہو تو تمہارا اپنے آپ کو وقف کرنا محض ایک دھوکا ہوگا۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس چیز کے لیے آئے تھے؟ کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دفتروں کی کلرکیاں کرنے کے لیے آئے تھے؟ کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تجارتیں کرنے کے لیے آئے تھے؟ کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کارخانے قائم کرنے کے لیے آئے تھے؟ آخر کس چیز پر ہم اُن کو لگائیں؟ جب وہ قرآن اور حدیث ہی نہیں جانتے اور جب وہ اُن پر عامل ہی نہیں تو ہم اُن کو کس چیز پر لگائیں۔ جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے تیار نہیں، جب اُن کا لباس اور طور طریق بھی اسلام کے مطابق نہیں تو ہم نے اُن کے وقف کو لے کر کیا کرنا ہے۔ آخر اُن کو دیکھ کر ایک چمار عیسائی کے لباس اور اُن کے لباس میں کیا فرق نظر آتا ہے۔ ایک چُوڑھا عیسائی ہوتا ہے تو وہ بھی اِسی طرح پینٹ پہن لیتا ہے۔ ایک سانسی عیسائی ہوتا ہے تو وہ بھی اسی طرح پینٹ پہن لیتا ہے۔ جب اُن کے اندر اِتنی بھی غیرت نہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُن کے دلوں میں اِتنی بھی محبت نہیں کہ وہ اپنے لباس اور طریق کو درست کر سکیں۔ اور جب اسلام کی اُن میں اِتنی بھی محبت نہیں کہ وہ قرآن اور حدیث پڑھ کر دین کی واقفیت حاصل کریں تو اُن کے وقف کے معنے ہی کیا ہیں؟ کلرک تو ہم عیسائی بھی نوکر رکھ سکتے ہیں یا تجارت کا کام بھی عیسائیوں سے کروایا جاسکتا ہے۔ جس کام پر غیر مذاہب کے لوگ نہیں رکھے جاسکتے وہ تبلیغ ہے۔ وہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت ہے۔ اگر واقع میں اُن کے دلوں میں اسلام اور احمدیت کی کوئی محبت ہے تو اُنہیں قرآن پڑھنا چاہیے، حدیث پڑھنی چاہیے، اپنے لباس اور طرزِ بودوباش کو درست کرنا چاہیے۔ جب تک وہ یہ کام نہیں کر سکتے اُس وقت تک اُن کا اپنے آپ کو وقف کرنا دنیا کو بھی دھوکا دینا ہے اور اپنے آپ کو بھی دھوکا دینا ہے۔ دنیا کو وہ

دھوکا دے سکتے ہیں لیکن اگر اپنے آپ کو بھی وہ دھوکا دیتے رہے تو اُنہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنی نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے بند کریں گے۔ جس قسم کے حالات جماعت کو آئندہ پیش آنے والے ہیں وہ نہایت خطرناک ہیں۔

پہلے بھی مَیں نے تفصیل سے حالات نہیں بتائے تھے صرف اِجمالاً آئندہ آنے والی مشکلات کا ذکر کیا تھا اور تم نے دیکھا کہ جو کچھ مَیں نے کہا تھا وہ لفظاً لفظاً پورا ہوا۔ اب مَیں اُس سے بھی زیادہ خطرناک حالات جماعت کے متعلق دیکھتا ہوں۔ مَیں اُس سے بھی زیادہ مشکلات احمدیت کے راستہ میں حائل ہوتی ہوئی دیکھتا ہوں۔ احمدیت تو بہرحال غالب آئے گی لیکن احمدیت کی جنگ پندرہ بیس سال سے زیادہ نہیں چل سکتی۔ پندرہ بیس سال کے عرصہ میں یا تم غالب آ جاؤ گے یا تم تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ اِن دونوں میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی۔ مَیں "تم" کا لفظ استعمال کرتا ہوں احمدیت کا لفظ استعمال نہیں کرتا کیونکہ احمدیت بہرحال غالب آئے گی۔ صرف پندرہ بیس سال کی مہلت ہے جو تمہیں دی گئی ہے۔ اِن پندرہ بیس سالوں میں سے ہر پہلا سال آئندہ آنے والے سال سے زیادہ قیمتی ہے۔ 1948ء، 1949ء سے زیادہ قیمتی ہے اور 1949ء، 1950ء سے زیادہ قیمتی ہے اور 1950ء، 1951ء سے زیادہ قیمتی ہے اور 1951ء، 1952ء سے زیادہ قیمتی ہے اور 1952ء، 1953ء سے زیادہ قیمتی ہے۔ تم اگر یہ کہو کہ اگر مَیں نے 1948ء میں یہ کام نہیں کیا تو کیا ہوا 1949ء میں کر لیں گے تو تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ لیکن اگر تم یہ کہو 1949ء کا کام ہم 1948ء میں کر لیں تب بے شک تمہاری کامیابی قریب آ سکتی ہے۔ بہرحال اِس زمانہ میں سب سے بڑا فرض اور سب سے اہم فرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ قادیان سے نکلنے اور نظام کے درہم برہم ہو جانے پر، بجائے اِس کے کہ جماعت کے نوجوان خدمتِ دین کے لیے آگے آتے چالیس فیصدی انجمن کے کارکن بھاگ کر باہر چلے گئے۔ گویا جس وقت لوگ دنیا میں اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں اُس وقت ہماری جماعت کے نوجوانوں نے غداری اور بے ایمانی کا ثبوت دیا ہے۔ بجائے اِس کے کہ وہ اپنے کام چھوڑ کر خدمت کے لیے آ جاتے وہ سلسلہ کا کام چھوڑ کر باہر چلے گئے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ بُہتوں کے منہ پر یہ الفاظ ہیں کہ اگر ہم نہ جائیں تو کھائیں کہاں سے؟ مگر یہ سوال صرف تمہارے سامنے ہی نہیں بلکہ پہلی جماعتوں کے سامنے بھی یہ سوال تھا اور پھر بھی وہ دین کا

کام کرتی چلی گئیں۔ پس مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ سوال غلط اور بے معنٰی ہے تو پھر وہ کون ہے جس کو سب سے زیادہ سزا ملے گی اور وہ خدا کے سامنے ایک ذلیل چور کی حیثیت میں پیش ہوگا؟ یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ایسے افراد اِس دنیا میں بھی ذلیل کیے جائیں گے اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کیے جائیں گے۔ وہ کوئی عزت اپنی تجارتوں اور اپنی نوکریوں سے حاصل نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ اُن کو جو خدا نے عزت دی تھی وہ دوسروں کو نہیں دی۔ اور خدا نے اُن پر جو فضل نازل کیے تھے وہ دوسروں پر نہیں کیے۔ اِس لیے اب اللہ تعالیٰ جو قربانی اُن سے چاہتا ہے وہ بھی دوسروں سے نمایاں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں آگے بڑھنے کا ہر ایک کو موقع دیتا ہے مگر جو نہیں آتے یا آکر پیچھے ہٹ جاتے ہیں وہ سب سے بڑے مجرم ہو جاتے ہیں۔ پس جن لوگوں میں بھاگنے کی روح پیدا ہو رہی ہے اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنا فرض ادا نہیں کر رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں شاید تمام محکمے بند کرنے پڑیں گے اور ہمیں پھر اپنا تمام کام اُسی ابتدائی حالت پر لے جانا پڑے گا جس حالت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھا۔ اور شاید وہ وقت بھی آجائے جب کہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پر اگر ان میں ایمان اور دیانت ہوئی یہ تمام بوجھ آپڑے۔ لیکن وہ اِسی بات کی طرف متوجہ ہیں کہ دوسرے لوگ یہ کام کریں اور ہم اپنے دنیوی کاموں میں مصروف رہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں ایسا وقت آچکا ہے کہ ہم اِس بارہ میں زیادہ سخت قدم اٹھائیں۔ اگر ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم کسی سُست اور کوتاہ بین انسان کو اُس کے اعمال کی وجہ سے سلسلہ سے نکال دیں تو یقیناً ہمیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو اختیار کرتے ہوئے جو لوگ خدمتِ دین میں حصہ نہیں لے رہے اُن کو ہم خاندان حضرت مسیح موعود میں سے نکال دیں۔ اگر ہمیں عام احمدیوں کے مقاطعہ کا حق حاصل ہے تو یقیناً ہمیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں سے دین کی خدمت سے غافل ہیں اُن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے نکال دیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے نکالا جاسکتا ہے تو مسیح موعودؑ کی اولاد سے کیوں نکالا نہیں جاسکتا۔ اور اگر دوسرے لوگ قربانیاں کرسکتے ہیں تو مسیح موعودؑ کی اولاد کیوں قربانی نہیں کرسکتی؟ ان کی قربانیاں یقیناً دوسروں کے

اندر جوش پیدا کریں گی۔ اور اگر نہیں کریں گی تو اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کے ذریعہ ایک نئی جماعت پیدا کر دے گا۔

بہرحال اُن کا یہ کام نہیں کہ وہ دین سے غافل رہیں۔ قرآن اور حدیث سے واقفیت پیدا نہ کریں اور کرنٹے 1 بنے ہوئے چُوڑھے عیسائیوں کی طرح پتلونیں پہنتے پھریں۔ اگر ایسی صورت میں وہ اپنے آپ کو وقف بھی کرتے ہیں تو اُن کے وقف کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ آخر وقف کے بعد ہم اُن سے کیا کام لیں گے؟ یہی کام لیں گے کہ وہ مختلف علاقوں میں جائیں اور تبلیغ کریں۔ مگر اِس کے لیے اُنہیں سب سے پہلے اپنا نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اگر وہ یہ کام نہیں کر سکتے، اگر وہ اِس اہم امر کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تو اُنہوں نے کرنا کیا ہے؟ کیا ہم نے اُن کا مربّہ اور اچار ڈالنا ہے یا ہم نے اُن کی چٹنیاں ڈالنی ہیں؟ یہی کام ہے جس کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں مبعوث ہوئے تھے کہ اسلام اور احمدیت کو پھیلایا جائے۔ اگر اُن کے دلوں میں قرآن اور حدیث پڑھنے کا شوق نہیں، اگر اُن کے دلوں میں قرآن اور حدیث کا درس دینے کا شوق نہیں تو کیا کام ہے جو وہ کرنا چاہتے ہیں؟ اور کس غرض کے لیے وہ اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں؟ جو کام وہ اِس وقت کر رہے ہیں اُس کے لیے تو ایک ہندو اور عیسائی بھی نوکر رکھا جا سکتا ہے۔ پس پہلے اُنہیں اپنے اندر دین پیدا کرنا چاہیے، پہلے اپنی نمازیں درست کرنی چاہییں، پہلے قرآن اور حدیث پڑھنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے اُس کے بعد اُنہیں دین کی تبلیغ کے لیے نکل جانا چاہیے۔ جیسے پرانے زمانہ میں صوفیاء باہر نکلے اور مُلکوں کے ملک انہوں نے اسلام میں داخل کر لیے۔ یہی ملک جس میں سے آج چھپن لاکھ مسلمان اِس طرح بھاگا ہے کہ چند دنوں میں ہی سارا مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اِس ملک میں حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ آئے اور سارا ملک اُنہوں نے مسلمان بنا لیا۔ آخر وہ کیا چیز تھی جو خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ کو حاصل تھی؟ وہ کیا چیز تھی جس نے حضرت باوانانکؒ کو حضرت فریدالدین صاحب شکر گنجؒ والوں کے دروازہ پر لا کر ڈال دیا۔ اگر فریدالدین صاحب شکر گنجؒ والے اپنے عمل اور طریق سے باوانانکؒ کی آنکھوں کو نیچا کر سکتے تھے تو اگر اِس زمانہ کا مسلمان بھی فریدالدین بن جائے تو کیوں وہ سکھ کی آنکھ کو نیچا نہیں کر سکتا۔ یقیناً وہ ایسا کر سکتا ہے۔ مگر اِس کے لیے ضرورت اِس بات کی ہے کہ قرآن اور حدیث کو پڑھا جائے، قرآن اور حدیث پر عمل کیا جائے اور قرآن اور حدیث

کی تعلیم کو پھیلایا جائے۔ اگر اِس کام کے لیے ہم تیار ہیں تو یقیناً ابتلاؤں پر ہم غالب آ جائیں گے۔ لیکن اگر ہم اِس کے لیے تیار نہیں تو ابتلاء ہم پر غالب آ جائیں گے۔

پس مَیں ایک دفعہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے افراد کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں تو وہ دُہرے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اگر اُنہوں نے اصلاح نہ کی تو جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے وہ دُہرے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ بہرحال خدا تعالیٰ کی طرف سے جب تک سلسلہ کی یہ حیثیت قائم ہے جب بھی کوئی آواز بلند ہوگی اُس آواز کا پہلا مخاطب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان ہوگا۔ اور اُن کا فرض ہوگا کہ وہ قرآن پڑھیں، حدیث پڑھیں اور مختلف ملکوں میں تبلیغ کے لیے نکل جائیں تا پھر مسلمان ایک ہاتھ پر جمع ہو کر اسلام کی عظمت کا موجب بنیں۔ جو اِفتراق اور شِقاق اِس وقت مسلمانوں میں پایا جاتا ہے وہ اِس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ہر مسلمان اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کی فکر میں ہے۔ کہیں مذہبی اختلاف کو آپس کے افتراق کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے اور کہیں سیاسی اختلافات کو آپس کے افتراق کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ اِس تباہی اور بربادی کا سوائے اِس کے اور کوئی علاج نہیں کہ پھر مسلمان احمدیت کے ذریعہ ایک ہاتھ پر اکٹھے ہو جائیں اور پھر کفر پر حملہ کر کے اُسے تباہ کر دیا جائے۔ اور یقیناً ایسا ہوسکتا ہے۔ یہ خیال کہ ہم تھوڑے ہیں اور دشمن زیادہ ہے بالکل غلط ہے۔ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمان جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر اُن کا چوتھا حصہ یعنی سَوا دو کروڑ مسلمان بھی ایک ہاتھ پر جمع ہو جائے تو نہ صرف ہندوستان کے تیس کروڑ غیر مسلموں پر بلکہ چین اور جاپان پر بھی جس کی آبادی شامل کر کے ایک ارب تک پہنچ جاتی ہے ہمیں غلبہ حاصل ہوسکتا ہے۔ ہم اِس سے گھبرانے والے نہیں کہ ہم تھوڑے ہیں اور دشمن زیادہ ہے۔ روحانیت میں بہت بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ طاقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں حاصل ہے۔ بے شک مادی اور ظاہری سامانوں میں بھی طاقت ہوتی ہے مگر مادی اور ظاہری سامان صرف جسم فتح کرتے ہیں اور روحانی طاقت دشمن کے اُس مقام پر حملہ کرتی ہے جہاں اُس کا بچاؤ بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ اگر اسلام کا صحیح نمونہ پیش کیا جائے اور والہانہ طور پر اِس کی تبلیغ اور اشاعت کی جائے تو وہی لوگ جو آج ہمارے دشمن اور ہمارے مقابل میں لڑ رہے ہیں کل ہمارے ساتھ شامل ہو کر اسلام کی طرف سے کفر کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو خانہ کعبہ کے پجاری بھی بظاہر مسلمان ہو گئے۔ اُس وقت کا ایک پجاری کہتا ہے کہ میرے خاندان کے بہت سے آدمی چونکہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اِس لیے گو مَیں بظاہر مسلمان ہو گیا مگر مَیں نے اپنے دل میں قسم کھائی کہ جب بھی مجھے موقع ملا مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اپنے خاندان کے افراد کا بدلہ لوں گا۔ اِس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ اُس کی اِس خواہش کے پورا ہونے کا ذریعہ بھی نکل آیا۔ طائف والوں سے جنگ ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ طائف کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کو لے کر چل پڑے۔ اُس وقت یہ شخص بھی جو آپ کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا لشکر میں شامل ہو گیا۔ اُس کا اپنا بیان ہے کہ مَیں نے سمجھا میرے لیے یہ بہت ہی عمدہ موقع پیدا ہو گیا ہے۔ اگر لڑائی میں کوئی ایسا موقع آیا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم اکیلے ہوئے تو مَیں انہیں مار ڈالوں گا۔ اِس لیے مَیں آپ کے قریب قریب رہتا تھا۔ آخر ایسے سامان بھی پیدا ہو گئے کہ اُسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ اسلامی لشکر جب آگے بڑھا تو دشمن نے کمین گاہوں سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ مکہ کے حدیثُ العہد اور نئے نئے مسلمان جن میں بعض کافر بھی شامل تھے اور جو بڑے تکبر سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب اُن پر تیروں کی بوچھاڑ پڑی تو وہ بے تحاشا پیچھے کی طرف بھاگے۔ اُن کے بھاگنے اور سواریوں کے بدکنے کی وجہ سے باقی لشکر میں بھی بھاگڑ2 مچ گئی اور سب لشکر میدان سے بھاگ نکلا۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول کریم صلی علیہ وسلم کو واپس لَوٹائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی باگ پکڑ لی اور کہا یا رسولَ اللہ! اب ہمیں لَوٹنا چاہیے تاکہ ہم لشکر کو جمع کر کے پھر حملہ کریں۔ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جوش سے فرمایا چھوڑ دو میری سواری کی باگ کو۔ اور حضرت عباسؓ کو بلا کر کہا عباس! آواز دو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت مہاجرین کا نام نہیں لیا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مہاجرین کی سفارشوں پر ہی کفارِ مکہ کو ساتھ لیا گیا تھا چونکہ وہ مہاجرین کے رشتہ دار تھے۔ اُنہوں نے سفارش کی کہ اُن کو بھی ساتھ لیا جائے اور انہیں خدمت کا موقع دیا جائے۔ چونکہ اُن کی سفارش کی وجہ سے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچا تھا اِس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خفگی کا اِس نہایت ہی لطیف پیرایہ میں اظہار کیا کہ

مہاجرین کا نام نہیں لیا۔ بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اے انصار! اللہ کا رسول تم کو بلاتا ہے۔ مہاجرین بعض دوسرے الفاظ میں بے شک شریک ہو جاتے تھے مگر علیحدہ طور پر آپ نے اُن کا نام نہیں لیا۔ مثلاً بعض روایتوں میں ذکر آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اے بیعتِ رضوان والے لوگو! اور بیعتِ رضوان میں مہاجرین شامل تھے۔ بہرحال اِس عرصہ میں دشمن نے اَور حملہ کیا اور ایک وقت ایسا بھی آ گیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں اکیلے رہ گئے۔ اُس وقت صرف ایک صحابی ابوسفیانؓ 3 آپ کے پاس تھے یا وہ شخص تھا جو آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ وہ کہتا ہے جب مَیں نے دیکھا کہ آپ اکیلے ہیں تو مَیں نے سمجھ لیا کہ اب میرے لیے عمدہ موقع آ گیا ہے۔ مَیں آگے بڑھا اِس نیت اور اِس ارادہ سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماردوں۔ جب میں آگے بڑھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا آگے آ جاؤ۔ مَیں اَور آگے چلا گیا۔ جب مَیں آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنا ہاتھ لمبا کیا۔ میرے سینہ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہا اے خدا! تُو اس کے دل سے سارا کینہ اور بُغض نکال دے۔ وہ کہتا ہے رسول کریم صلی علیہ وسلم کے ہاتھ کا میرے سینہ پر سے ہٹنا تھا کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ دنیا کی ساری محبت میرے دل میں سمٹ آئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اِتنے پیارے معلوم ہونے لگے کہ اُن سے زیادہ پیارا مجھے دنیا میں اَور کوئی وجود نظر نہیں آتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا آگے بڑھو اور دشمن کا مقابلہ کرو۔ وہ کہتا ہے اُس وقت یہ بات میرے واہمہ اور خیال میں بھی نہ رہی کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لیے آیا تھا بلکہ اُس کی بجائے آپ کی محبت کا اِس قدر جوش میرے دل میں پیدا ہوا کہ خدا کی قسم! اگر اُس وقت جو بھی میرے سامنے آتا مَیں فوراً اُس کی گردن کاٹ دیتا۔ 4 اسی واقعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جب کسی انسان میں تغیر پیدا ہوتا ہے تو اُس کی حالت کیا سے کیا ہو جاتی ہے۔ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔ وہ کفر کی حالت میں نکلا اور اِس ارادہ کے ساتھ نکلا کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دوں گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پھر جانے کی وجہ سے اُس میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا کہ وہ آپؐ کی خاطر ہر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے اندر اِتنا تو تغیر پیدا کریں جتنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پھر جانے کی وجہ سے اُس انسان میں پیدا ہوا۔

غرض مَیں جماعت کو عموماً اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو خصوصاً اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے تیار کریں۔ دشمن اپنا سارا زور اسلام کے مٹانے کے لیے لگائے گا۔ بے شک جہاں تک احمدیت کا سوال ہے خدا اِس کا محافظ ہے۔ مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ جب خدا یہ کام کرنا چاہتا ہے تو ہم اُس کے ہتھیار بن کر زیادہ سے زیادہ برکات اور ثواب حاصل کریں۔ اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ فضل اِسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم قرآن اور حدیث پڑھیں، ہم قرآن اور حدیث پر عمل کریں اور قرآن اور حدیث پر عمل کرائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اب وقت آ گیا ہے کہ جس طرح پرانے زمانے میں حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ ، حضرت خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کا کیؒ اور دوسرے اولیاء بغیر ڈر کے دشمن میں گھس گئے اور اُنہوں نے اسلام پھیلا دیا۔ اُسی طرح اب بھی لوگ بغیر کسی ڈر کے اسلام کی تبلیغ کے لیے نکل جائیں اور اِس امر کی پروا تک نہ کریں کہ دشمن اُن سے کیا سلوک کرے گا۔ اور یقیناً جو لوگ اس نیت اور ارادہ سے نکلیں گے کہ وہ اِس قابل ہوں گے کہ بڑے سے بڑے دشمنوں کے دلوں کو بھی پھرا دیں جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے اُس کافر کے دل کو بدل دیا۔ آخر خدا کے کام معجزانہ ہی ہوتے ہیں۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کیونکر ہو گا؟ جو کام خدا کے ہوتے ہیں اُن میں " کیونکر "اور" کس طرح" کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا تم کو پتہ ہے کہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی؟ کیا تم کو پتہ ہے کہ کائنات کیونکر بنی؟ نہ تم کو یہ پتہ ہے کہ دنیا کیونکر پیدا ہوئی اور نہ تم کو یہ پتہ ہے کہ کائنات کیونکر بنی۔ فلاسفر آج تک بحثیں کرتے رہے مگر وہ اِن امور کو حل نہ کر سکے۔ تمہارے سامنے دنیا موجود ہے۔ تم بتاؤ تو سہی کہ ستارے کہاں ختم ہوتے ہیں؟ پھر اُس کے بعد کیا ہے؟ اگر کہو کہ یہ سلسلہ غیر محدود ہے تو غیر محدود ایک ایسی اصطلاح ہے جو کسی انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی؟ جس طرح وہ یہ باور نہیں کر سکتا کہ کوئی چیز محدود ہو اور اُس کے بعد کچھ نہ ہو۔ جس طرح انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ دنیا ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے اِسی طرح وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ پہلے کچھ نہ ہو اور پھر دنیا کا سلسلہ قائم ہوا ہو۔ بیوقوف اور جاہل بے شک اِن باتوں کو مان لیتے ہیں مگر جو لوگ عقلمند ہوتے ہیں وہ صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر بعض لوگ اِس سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ خدا کوئی نہیں۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تو ہے مگر اُس کی باتیں انسانی سمجھ سے بالا ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ کے تمام کام

" کیوں "اور" کیونکر" "اور" کس طرح" سے بالا ہوتے ہیں۔ اگر تم ہر بات کو" کیوں "اور" کس طرح" سے حل کرنے لگے تو تمہیں پہلے اپنا انکار کرنا پڑے گا۔ تمہیں ستاروں کا انکار کرنا پڑے گا، تمہیں دنیا کا انکار کرنا پڑے گا۔ جب خدا دنیا میں ایک نئی جماعت قائم کرنا چاہتا ہے تو باوجود مخالف حالات کے وہ کس طرح غالب آجاتی ہے؟ اسے نہ تم سمجھ سکتے ہو اور نہ کوئی اَور سمجھ سکتا ہے۔ مگر دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اس" کیونکر "اور" کس طرح" کے سوال کے ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر غالب آ گئے۔ اس" کیونکر "اور" کس طرح" کے سوال کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰؑ اپنے مخالفین پر غالب آ گئے۔ " کیونکر "اور" کس طرح" کے سوال ہوتے ہی رہے اور نوحؑ اپنے مخالفین پر غالب آ گئے۔ اب بھی دنیا" کیونکر "اور" کس طرح" ہی کہتی رہے گی اور سچا احمدی پھر دنیا پر اسلام کو غالب کرے گا۔ پھر دنیا کی مایوسی اور ناامیدی کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دنیا میں قائم کر دے گا۔ مگر پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اپنے دلوں پر قائم کرو۔ تمہارے دلوں پر قائم ہونے کے بعد ہی وہ دنیا میں قائم ہو سکتی ہے"۔ (الفضل 7/اپریل 1948ء)

1: کرنٹے: عیسائی۔

2: بھاگڑ: بھگدڑ

3: ابوسفیانؓ: ابوسفیانؓ بن الحارث بن عبدالمطلب

4: سیرت ابن ہشام جلد 4 صفحہ 87 مطبوعہ مصر 1936ء